مامون ایمن

غزلیں

خوش بو رُبا ہے دہر میں اب زندگی مجھے
آنے لگی ہے راس کوئی دِل لگی مجھے

ہر سانس کو سَراب نے جھونکا بَنا دیا
جگ میں پِھرائے جاتی ہے چِھرگی مجھے

تعبیرِ دید حسن میں جھکتا ہے میرا سر
کب خوابِ موجِ عشق ہے دَرماندگی مجھے

میرے لیے فراق میں ہے وصل کا سُراغ
آشفتگی کی شکل ہے وارفتگی مجھے

فرماں رَوائے مملکتِ فن ہوں میں، خوشا
درکار کیوں ہو شعر میں شہہ زادگی مجھے

اِک پَل بھی موجِ دل میں طرب آشنا نہیں
سرمایۂ حیات ہے بے مایگی مجھے

مُڑ کر کبھی تو دیکھ لوں چہرہ سَراب کا
روکے کبھی تو راہ میں پاخَستگی مجھے

فطرت شناس آئنہ دِکھلائے ایک دن
اُمّید کے خیال میں برجستگی مجھے

بازارِ دل میں بیچ نہ پایا کوئی جواز
دیوانگی کے نام پہ فرزانگی مجھے

ہر یاد جاں‌فزا ہے مگر کیوں فراق میں
جاں لیوا ٹھہرے وقت سے وابستگی مجھے

وضعِ نیازِ سَجدۂ تحریم سے سِوا
شایستگیِ ناز ہے سربستگی مجھے

دُنیا کی پارسائی سے شاید مِلے کبھی
ایمن! جہانِ ذات میں آوارگی مجھے
(نیو یارک شہر، ۳ مارچ ۲۰۰۵)

☆

وقت کی سرحد کے اندر، وقت کے باہر بھی ہے
زندگی کِرنوں کی دُنیا، سایے کا پیکر بھی ہے

پھول کہیے، خار کہیے، خواب کو، تعبیر کو
دیدۂ تقدیر میں زنجیر کا منظر بھی ہے

خود سپردہ جذب کی فِطرت میں ہے تنظیمِ نَو
بُلبلے کے رقص میں تعمیر کا جوہر بھی ہے

بجھتے جاتے ہیں جہاں میں گو شبِ غم کے چراغ
دل کی ڈھارس ہے کہ صبحِ نو میں اِک خاور بھی ہے

حاصلِ وارفتگی ہے بے قراری کا حصول
خامشی کی ذات میں گویائی کا ساگر بھی ہے

رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے گُم رہی کا قافلہ
آگہی کی رہ گزر میں زعم کا لشکر بھی ہے

شوق سے تَکتے ہیں آئینے کا چہرہ ہم، مگر
جانتے ہیں خوب یہ بھی، آئِنہ پتّھر بھی ہے

پوچھتا پھرتا ہے دنیا سے نجانے کیوں یہ عشق
حسن کی محفل میں جلوہ گر کوئی کافر بھی ہے

یاس کی فطرت میں پنہاں آس کا روشن خیال
آگ کی بستی میں شاید برف کا اِک گھر بھی ہے

یہ تماشا بھی انوکھا ہے کہ ہر اِک سانس
پھول کی تاویل ہے، تاویل میں خنجر بھی ہے

ہاں وہی مامون ایمن، جوہری افکار کا
شہر میں تحسینِ سازِ دل کا سوداگر بھی ہے
(نیو یارک شہر، ۲ مارچ ۲۰۰۵)

☆

آنکھ کے زنداں سے نکلے خواب کا منظر کوئی
وقت کا جرّاح کھولے زیست کا نِشتر کوئی

خامشی کی بزم ہے تنہائی کی معراج، یوں
گفتگو کی راہ میں رَہ رَو نہ ہے رَہ بَر کوئی

بے خودی سی بے خودی ہے خودنُمائی کی ادا
آئنہ آواز دیتا ہے، ''ارے شَہ پَر کوئی''

پھول کے پہلو میں کیوں چھکے ہے کانٹے کی پھبن
دیکھنا، گلشن میں آ نکلا ہے دیدہ وَر کوئی

کیا کہیں یہ اپنے اپنے ظرف کی سوغات ہے
کوئی ہے قطرے کا پَرتو، ذات میں ساگر کوئی

کاہے کو معلوم تھی یہ بات ہنستے جذب کو
جان لے سکتا ہے ہنس کر پھول سا پتّھر کوئی

پھیلتا جاتا ہے سایہ، ضبط کی دیوار پر
اِک نئے انداز سے چمکے گا پھر خاور کوئی

دھوپ چھاؤں کے سبب ہیں وقت میں کتنے ہی رنگ
یاد کے لمحے مگر، اَخضر کوئی، اَصفر کوئی

دیکھتا ہوں وقت کو مڑ مڑ کے، ایمن! کِس لیے
کیا تعاقب میں ہے میرے یاد کا اژدَر کوئی
(نیو یارک شہر، ۲۶ مارچ ۲۰۰۵)